اقتضاءالنص اور تفسیر قرآن

حافظ عبداللہ*

نصوص قرآن کے فہم کے لیے جس طرح یہ جاننا ضروری ہے کہ لفظ کی دلالت اپنے معنی پر واضح ہے یا خفی ہے یعنی لفظ اپنے معنی پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے یا مخفی طور پر جس کی وضاحت کی ضرورت باقی رہتی ہے۔علماء اصول نے لغت عرب کا تتبع و استقراء اور نصوص قرآن کا استقصا کرنے کے بعد معنی کے ظہور وخفا کے اعتبار سے الفاظ کے مراتب واحکام کتب اصول میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔نصوص قرآن کے فہم اور ان سے احکام ومسائل کے استنباط واستخراج کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ لفظ کی اپنے معنی پر دلالت کی کیفیت کیا ہے اس لیے کہ احکام پر الفاظ کی دلالت کے متعدد طرق ہیں اور ان تمام طرق سے ہی نصوص سے احکام کا ثبوت ہوتا ہے اور ان مختلف ومتعدد طرق میں سے کسی طریقہ سے بھی اگر کوئی حکم نص سے ثابت ہو رہا ہو تو وہ حکم شرعی ہی کہلائے گا اور مکلّف کو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا۔علماء اصول نے لفظ کی اپنے معنی پر دلالت کے متعدد طرق کا تفصیلی ذکر کیا ہیاور ان کیمراتب بیان کیے ہیں۔

حنفی علماء اصول نے معانی پر الفاظ کی دلالت کی کیفیت کی چار اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔عبارۃ النص ۲۔اشارۃ النص ۳۔دلالۃ النص ۴۔اقتضاءالنص

جب کہ احناف کے علاوہ دیگر علماء اصولیین یعنی متکلمین نے مفہوم المخالفۃ کا اضافہ کیا ہے۔

حنفی اصولیین نے لفظ کی معنی پر دلالت کے چار اقسام عبارۃ النص،اشارۃ النص،دلالۃ النص اور اقتضاءالنص میں محصور ہونے کی دلیل حصر یہ پیش کی ہے۔متدل نظم سے دلیل پیش کرے گا یا معنی سے اگر اول ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔اس نظم کو معنی کے لیے قصداً لایا گیا ہوگا یا نہیں۔اگر اول ہے تو وہ استدلال بعبارۃ النص ہے اور اگر ثانی ہے تو وہ استدلال باشارۃ النص ہے اور اگر معنی سے دلیل پیش کرے گا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں وہ معنی بغیر فکر واجتہاد کے از روئے لغت مفہوم ہوگا یا نہیں اگر اول ہے تو وہ استدلال بدلالۃ النص ہے اگر ثانی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔اس معنی پر نظم کی صحت عقلاً یا شرعاً موقوف ہوگی یا نہیں اگر اول ہے تو وہ استدلال باقتضاءالنص اور اگر ثانی ہے تو وہ استدلالات فاسدہ ہیں۔

علامہ تفتازانی "شرح التلویح علی التوضیح" میں فرماتے ہیں:

وقد حصروها في عبارة النص واشارته ودلالته واقتضائه ووجه ضبطه على ما ذكره القوم ان الحكم المستفاد من النظم اما أن يكون ثابتاً بنفس النظم اولاً، والاول ان كان النظم مسوقاله فهو العبارة والا فهو الاشارة، والثاني ان كان الحكم مفهوما منه لغة فهي الدلالة أو شرعا فهو الاقتضاء والا فهو التمسكات الفاسدة. (۱)

اس مقام پر یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ یہاں "نص" سے مراد اصطلاحی معنی میں نص نہیں ہے جس کا ذکر

*اسسٹنٹ پروفیسر،شیخ زاید اسلامک سنٹر،پنجاب یونیورسٹی،لاہور،پاکستان

This document was created by an application that isn’t licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

واضح الدلالۃ الفاظ میں کیا گیا ہے بلکہ عام ہے یعنی نظم قرآن چاہے ظاہر ہو یا نص، مفسر ہو یا محکم، حقیقت ہو یا مجاز، خاص ہو یا عام۔ان سے سے حکم کا اثبات عبارۃ النص ہی کہلائے گا۔

اسی طرح یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ ان دلالت کے طریقوں میں سے کسی طریقہ سے بھی جو حکم ثابت ہوگا وہ ظاہر نص سے ہی ثابت ہوگا نہ کہ قیاس یا رائے سے۔

ڈاکٹر ادیب صالح تحریر فرماتے ہیں:

وینبغی أن یعلم أن الاحکام الثابته بأی طریق من هذه الطرق الاربعة للدلالة، تکون ثابتة بظاهر النص، دون القیاس والرأی، لذا رأینا القاضی أبا زید الدبوسی فی تقویم الادلة یبحث الدلالات من خلال الاحکام الثابته بها ویقدم لنا الموضوع تحت عنوان (القول فی أقسام الاحکام الثابته بالظاهر دون القیاس بالرأی) ثم یقول :هذه الاحکام الاربعة (الثابت بعبارة النص، والثابت باشارة النص، والثابت بمقتضی النص...) ثم یتابع البحث فی کل واحد منها علی حدة. (۲)

اور علامہ سرخسیؒ نے بھی علامہ دبوسیؒ کی طرح باب کا عنوان یہی رکھا ہے "بیان الاحکام الثابتة بظاهر النص دون القیاس والرأی" اور اس کے بعد فرماتے ہیں

هذه الاحکام تنقسم أربعة أقسام :الثابت بعبارة النص، والثابت باشارته، والثابت بدلالته، والثابت بمقتضاه. (۳)

هذه الاحکام سے مراد الاحکام الثابته بظاهر النص دون القیاس والرأی ہے۔

اس تمہیدی و تعارفی گفتگو کے بعد اقتضاء النص کو تفصیلاً موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔

اقتضاء کے معنی لغت میں طلب اور استدعا کے ہیں اور اصطلاحاً اس سے مراد کلام کے الفاظ سے زائد وہ معنی ومفہوم ہیں کہ جس کا شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت کے لیے اعتبار کیا جائے یا یہ کہ کلام کا اپنے الفاظ کے معانی سے زائد کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا کہ جس پر شرعاً یا عقلاً کلام کا صدق یا صحت موقوف ہو یعنی کلام یا نص مقتضی یعنی تقاضا کرتی ہے کسی ایسے مقتضی کا جس پر کلام کا صدق یا صحت موقوف ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اقتضاء النص کا مصداق کلام یا نص کے کسی لفظ کا مدلول و معنی نہیں ہوتا مگر کلام یا نص کے صدق و صحت کے لیے اس معنی کو کلام کے منطوق کے ساتھ مانا جاتا ہے۔

متقدمین احناف، شوافع اور معتزلہ مقتضیٰ، محذوف و مضمر میں فرق نہیں کرتے اور سب ہی کو مقتضیٰ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ فرماتے ہیں:

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اعلم ان عامة الاصوليين من أصحابنا وجميع أصحاب الشافعي وجميع المعتزلة جعلوا ما يضمر في الكلام لتصحيحه ثلاثة اقسام:

١ .ما أضمر ضرورة صدق المتكلم كقوله عليه السلام :(رفع عن امتي الخطأ) الحديث

٢ .وما أضمر لصحته عقلا كقوله تعالىٰ اخبارا :(وأسال القرية) (يوسف: ٨٢

٣.وما أضمر لصحته شرعا كقول الرجل اعتق عبدک عني بألف.

وسموا الكل مقتضى ولهذا قالوا في تحديده :هو جعل غير المنطوق منطوقا لتصحيح المنطوق وهو مذهب القاضي الامام أبي زيد (۴)

جان لو کہ ہمارے اصحاب میں اکثر اصولیین ،تمام اصحابِ شافعی اور تمام معتزلہ نے کلام کی تصحیح کے لیے کلام میں کچھ مضمر تسلیم کرنے کے اعتبار سے تین میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ جو متکلم کے صدق کی خاطر مضمر مانا جائے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے(رفع عن امتي الخطأ)

۲۔ جو عقلاً صحتِ کلام کے لیے مضمر مانا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے فرمایا(وأسال القرية)

۳۔ جو شرعاً کلام کی صحت کے لیے مقدر مانا جائے جیسے کسی اعتق عبدک عني بألف

اوران سب کو مقتضیٰ کا نام دیا گیا ہے۔اس لیے اس کی تعریف میں کہا ہے : غیر منطوق کو منطوق قرار دینا تا کہ منطوق صحیح ہو، یہ قاضی ابوزید کا مذہب ہے۔

علامہ دبوسی اپنی کتاب" تقویم الادلۃ "میں مقتضی کی تعریف تحریر فرماتے ہیں:

"المقتضى زيادة على النص لم يتحقق معنى النص بدونها فاقتضاها النص ليتحقق معناه ولا يلغو ." (۵)

مقتضیٰ نص پر وہ اضافہ ہے جس کے بغیر معنی کا تحقق نہیں ہوسکتا۔اس لیے نص اس (اضافہ) کو طلب کرتی ہے تا کہ اس کے معنی ثابت ہو سکیں اور وہ لغو نہ قرار پائے۔

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ" کشف الاسرار "میں علامہ دبوسیؒ سے یہی تعریف نقل فرماتے ہیں۔(٦)

حاصل یہ ہے کہ کلام کو صحیح کرنے کے لیے جس چیز کو مقدر مانا جائے گا اس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جس کو صدق متکلم کی خاطر مقدر مانا جاتا ہے یعنی کلام میں اگر زائد لفظ مقدر مان لیا گیا تو متکلم صادق ہوگا ورنہ کاذب ہوگا۔دوم وہ جس کو صحت کلام کے لیے عقلاً مقدر مانا گیا ہو۔سوم وہ جس کو صحت کلام کے لیے شرعا مقدر مانا گیا ہو متقدمین ان تینوں قسموں کو مقتضیٰ ہی کہتے ہیں یعنی متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ محذوف مقتضیٰ ہی کے قبیل سے ہے اس لیے مقتضیٰ کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ کلام منطوق کو صحیح کرنے کے لیے غیر منطوق کو منطوق قرار دینے کا نام مقتضیٰ ہے متأخرین میں قاضی ابوزید الدبوسی اسی کے قائل ہیں۔

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

مولانا یعقوب البنانیؒ "حسامی " کی شرح میں فرماتے ہیں:

وذهب المتقدمون الى ان المحذوف من قبيل المقتضىٰ مع حكمهم بانتفاء العموم فى المقتضىٰ وعرفوه انه جعل غير المنطوق منطوقا لتصحيح المنطوق شرعا او عقلا او لغة فانه يشتمل الجميع وتابعهم الامام ابو زيد من المتأخرين . (۷)

متقدمین نے محذوف کو مقتضیٰ کی قبیل سے قرار دیا ہے باوجودیکہ وہ مقتضیٰ میں عموم کی نفی کا حکم لگاتے ہیں اور انہوں نے اس کی تعریف کی ہے کہ یہ منطوق کو شرعاً وعقلاً ولغتاً درست رکھنے کے لیے غیر منطوق کو منطوق ٹھہرانا ہے۔ پس یہ تعریف تمام کو شامل کرتی ہے اور متاخرین میں سے امام ابوزید نے ان (متقدمین) کی متابعت کی ہے۔

قاضی ابوزید دبوسی کے بعد متاخرین احناف نے، جن میں سرفہرست علامہ بزدویؒ اور علامہ سرخسیؒ ہیں، مقتضیٰ اور محذوف میں فرق کیا ہے۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

واما الثابت باقتضاء النص فمالم يعمل الا بشرط تقدم عليه فان ذلک امر اقتضاء النص لصحة ما تناوله فصار هذا مضافا الى النص بواسطه المقتضىٰ وكان كالثابت بالنص(۸)

اور جہاں تک اقتضاء النص سے ثابت کا تعلق ہے تو نص پر عمل نہیں کیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ (مقتضیٰ) نص پر مقدم ہو، کیونکہ نص نے اس کا تقاضا کیا ہے اس چیز کی صحت کے لیے جس کو نص شامل ہے۔ پس نص کی طرف مقتضیٰ کے واسطہ سے مضاف ہوا اس لیے نص سے (بعینہ) ثابت ہوا۔

علامہ بزدویؒ کی اس عبارت کی دو توجیہات کی گئی ہیں ایک توجیہہ یہ ہے کہ جو چیز نص کے اقتضاء سے ثابت ہو وہ مقتضیٰ (اسم مفعول) ہو اور اقتضاء اپنے معنی میں مصدر ہو اور عبارت کے یہ معنی ہوں مقتضیٰ وہ شے ہے کہ نص پر عمل نہ کیا جائے یعنی نص مفید نہ ہو اور کسی حکم کو واجب نہ کر رہی ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ نص پر مقدم ہو کیونکہ اس کو مقتضیٰ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ نص نے تقاضا کیا ہے اس چیز کی صحت کے لیے جس کو نص شامل ہے پس نص کی صحت اس پر موقوف ہے جب مشروط شرط پر موقوف ہے تو شرط کا مقدم ہونا ضروری ہے اور نص نے جب اس کی صحت کے لیے مقتضیٰ کا تقاضا کیا ہے تو مقتضیٰ نص کی طرف، اقتضاء النص کے واسطہ سے مضاف ہوگا۔

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ نے یہ توجیہ بیان کرنے کے بعد علامہ سرخسی کی بیان کردہ مقتضیٰ کی تعریف سے اس کو مؤید کیا ہے۔

أن المراد من لفظة الثابت ان كان المقتضىٰ لأنه هو الثابت باقتضاء النص فمعنى قوله: وأما الثابت باقتضاء النص وأما المقتضى، والضمير المستكن فى لم يعمل والبارز فى عليه راجعان الى النص. ويقرأ بشرط تقدم على الاضافة ويكون التنوين فى تقدم عوضا عن المضاف اليه وهو الضمير العائد الى ما، أى بشرط تقدمه كما يقتضيه هذا المقام. وكذا ذكر المصنف فيما بعد ذلک وهذا اشارتان الى الثابت، والمقتضى بالفتح فى قوله بواسطه المقتضىٰ بمعنى الاقتضاء لان زنه المفعول من أوزان المصادر فى المتشعبات، واللام فيه بدل الاضافة، والفاء فى (فان) اشارة الى تعليل تسميه، بهذا

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

الاسم أو الى تعليل اشتراط تقدمه عليه، وهي في (فصار) لبيان كونه نتيجة للجملة الأولى، وتقدير الكلام واما المقتضىٰ فالشئى الذى لم يعمل النص أى لم يفد شئيا ولم يوجب حكما الا بشرط تقدم ذلک الشئى على النص انما سمى هذا الشئى بالمقتضىٰ لانه أمر اقتضاه النص وانما شرط تقدمه عليه لأن ذلک أمر اقتضاه النص لصحة ما تناول النص اياه فتكون صحة النص متوقفة عليه توقف المشروط على الشرط فيقدم لا محالة. ولما اقتضىٰ النص ذلک الشيء لصحته صار ذلک الشيء، مضافا الى النص بواسطة اقتضاء النص اياه، ويوكذ هذا الوجه ما ذكر شمس الائمه رحمه الله :المقتضى عبارة عن زيادة على المنصوص بشرط تقديمه ليصير المنظوم مفيدا وموجبا للحكم ويدونه لا يمكن اعمال المنظوم .(۹)

یہاں لفظ "الثابت " سے مراد مقتضیٰ ہے کیونکہ اقتضاء النص سے وہی ثابت ہوتا ہے تو ان کے قول (واما الثابت باقتضاء النص) کا مطلب ہوا مقتضیٰ۔ لم یعمل میں ضمیر مستتر اور "علیہ "میں ہ کی ضمیرِ بارز دونوں کا مرجع لفظ "النص" ہے اور پڑھا جائے گا "بشرط تقدم"۔ شرط پر اضافت ہوگی (یہ مضاف بنے گا) اور تقدم پر تنوین ہوگی۔ تنوین مضاف الیہ کے عوض کے طور پر ہے وہ مضاف الیہ ضمیر ہے جو "ما " کی جانب لوٹتی ہے یعنی مطلب ہوگا۔ اس شرط ساتھ جو اس سے مقدم ہے جیسا اس مقام پر نص اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اس طرح مصنف نے اس کے بعد بھی ذکر کیا ہے اور یہ دو اشارے ہیں الثابت کے معانی کی طرف، المقتضیٰ فتحہ کے ساتھ ان کے قول "بواسطۃ المقتضیٰ "میں تو یہ اقتضاء کے معنی میں ہے کیونکہ مقتضیٰ منشعبات میں اوزان مصادر میں سے وزنِ مفعول پر مذکور ہے۔ یہاں "لام "اضافت کے بدل کے طور پر۔ فان میں "ف" اشارہ ہے اس نام کے ساتھ موسوم کرنے کی تعلیل کی طرف یا شرط کو اس پر مقدم قرار دینے کی توجیہ کی طرف۔ (فصار) اس بات کے بیان کے لیے ہے کہ یہ پہلے جملہ کا نتیجہ ہے۔ پس تقدیر کلام یہ ہے، پس مقتضیٰ وہ چیز ہے کہ جس بغیر نص عمل نہیں کرتی یعنی کچھ فائدہ نہیں دیتی اور حکم کو واجب نہیں کرتی مگر اس شرط کے ساتھ اس شئے کو نص پر تقدم حاصل ہو۔ یہ چیز مقتضیٰ کے اسم سے موسوم کی گئی ہے کیونکہ یہ وہ امر ہے جس کا نص نے تقاضا کیا ہے۔ شرط کا اس پر مقدم ہونا اس لیے ہے کہ اس امر کا تقاضا نص اس لیے کرتی ہے کہ نص جس چیز کو شامل کرتی ہے اس کا درست ہونا اس شرط کے پائے جانے پر موقوف ہے جس طرح مشروط شرط پر موقوف ہوتا ہے پس یہ شرط لامحالہ مقدم ہے۔ پس جب نص کا اقتضاء اپنی درستی صحت کے لیے وہ شے ہے تو وہ اقتضاء النص کے واسطہ سے نص کی طرف مضاف ہے۔ اس توجیہ کو شمس الائمہ سرخسیؒ نے مؤکد فرمایا ہے (امام سرخسیؒ کا قول ہے) المقتضیٰ منصوص پر اضافے سے عبارت ہے اس شرط کے ساتھ جو اس پر مقدم ہے تا کہ کلام مفید مطلب ہو سکے اور حکم کا موجب بنے اور اس کے بغیر نظمِ کلام پر عمل ممکن نہیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اقتضاء مقتضیٰ کے معنی میں ہو اور یہ اس حکم کی تعریف ہوگی جو مقتضیٰ سے ثابت ہے مقتضیٰ کی تعریف نہ ہوگی اور معنی یہ ہوں گے بہرحال وہ حکم جو مقتضیٰ نص سے ثابت ہے اور نص عمل نہیں کرتی اس کے اثبات میں یعنی اس کو واجب کرنے میں مگر اس شرط کے ساتھ، وہ شرط نص پر مقدم ہو اور شرط مقدم مقتضیٰ ہے کیونکہ وہ شرط ایسا امر ہے جس کا تقاضا نص نے کیا ہے اس چیز کی صحت کے لیے جس کو نص شامل ہے پس یہ حکم مقتضیٰ کے واسطہ سے نص مقتضیٰ کی طرف مضاف ہے۔

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

علامہ عبد العزیز بخاری نے یہ دوسری توجیہ بیان کرنے کے بعد صدر الاسلام ابوالیسرؒ کی تائید سے اس کو مؤید کیا ہے۔فرماتے ہیں:

"ورأيت في بعض الشروح :وأما الثابت بطلب النص لنفسه فشئی لم يعمل النص بدون تقدمه على النص فان النص اقتضاء ليكون متناوله صحيحا فصار متناول النص مضافا الى النص لكن بواسطة المقتضىٰ اذ لو لم يكن المقتضىٰ لما صح ما تناوله النص واذا لم يصح لا يكون مضافا الى النص، كقوله عليه السلام :(شراء القريب اعتاق) أضاف الاعتاق الى الشراء بواسطة مقتضاه وهو الملک هو الذی يوجب العتق فی القريب لا الشراء ولو لا المقتضىٰ لا صحه اضافة الاعتاق الى الشراء .فجعل هذا الشارح اسم الاشارة راجعا الى ما فی ما تناوله وهذا وجه حسن ايضاً.وان كان المراد من الثابت حكم المقتضىٰ كما ان المراد من الثابت الحكم فيما تقدم فالاقتضاء بمعنى المقتضىٰ ويقرأ بشرط بالتنوين والجملة بعده صفة له، وذلک اشارة الى الشرط وهذا الى الثابت، والمقتضىٰ بمعنى المفعول ، والفاء فی (فان) للاشارة الى تعليل التقدم لا غير، وهی فی (فصار) للاشارة الى كون اضافة الحكم نتيجة للاقتضاء ، وتقديره:وأما الحكم الثابت بمقتضى النص فما لم يعمل النص فی أثباته أی لم يوجبه الا بشرط تقدم على النص وانما تقدم ذلک الشرط لانه أمر اقتضاه النص لصحة متناوله ولما كان مثبت ذلک الحكم مضافا الى النص لان النص اقتضاه صار الحكم مضافا الى النص ايضاً بواسطته فلا يكون ثابتا بالرأی واليه أشار بقوله فكان كالثابت بالنص أی الحكم الثابت بالمقتضىٰ او المقتضىٰ على الوجه الاولى كالثابت بالنص، قال شمس الائمه :فعرفنا أن الثابت بطريق الاقتضاء بمنزلة الثابت بدلالة النص لا بمنزلة الثابت بطريق القياس ويؤيد هذا الوجه ما قال صدر الاسلام ابو اليسر رحمه الله :واما الحكم الثابت بمقتضىٰ النص فما ثبت بشئی زائد على النص اقتضاه النص فيكون الحكم ثابتا بالنص لان المقتضىٰ ثابت بالنص والحكم ثبت بالمقتضى فيكون المقتضى مع حكمه ثابتين بالنص. (۱۰)

میں نے بعض شروح میں دیکھا کہ "الثابت "سے مراد نص کا اپنے لیے وہ شے طلب کرنا ہے جس کے نص پر تقدم کے بغیر نص عمل نہیں کرتی پس نص اس کا تقاضا کرتی ہے کہ نص کے تحت جو اشیاء شامل ہیں وہ صحیح ہوسکیں اس لیے نص کو شامل اشیاء نص کی طرف مضاف ہوں گے لیکن مقتضیٰ کے واسطے سے، پس جب تک مقتضیٰ موجود نہ ہوگا نص جن کو شامل ہے وہ صحیح نہیں ہوں گے اور جب وہ صحیح نہیں ہوں گے تو وہ نص کی طرف مضاف نہیں ہوں گے۔جیسا کہ فرمان نبوی ہے شراء القریب اعتاق۔آپ نے اعتاق کو شراء کی طرف مضاف فرمایا اس کے مقتضیٰ کیواسطہ سے اور وہ ملک ہے جو کہ قریب (شراکت) میں عتق کو واجب کرتی ہے نہ کہ شراء۔اگر مقتضیٰ کا تحقق نہ ہوتو اعتاق کی اضافت شراء کی طرف درست نہ ٹھہرے گی۔اس شراء اسم الاشارہ کو شارح نے راجح قرار دیا ہے اس کی طرف جو "ما تناولہ"میں شامل ہیں۔یہ بھی اچھی توجیہ ہے اگر "الثابت "سے مراد حکم مقتضیٰ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ ثابت ہے سے مراد حکم ہے۔اقتضاء بمعنی مقتضیٰ ہے،بشرط کو

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

تنوین کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اس کے بعد کا جملہ اس کی صفت ہے ذلک کا اشارہ شرط کی طرف اور ھذا کا اشارہ ثابت کی طرف ہے۔ مقتضیٰ بمعنی مفعول ہے۔ فان میں "ف "اشارہ ہے۔ تقدم شرط کی تعلیل کی طرف اور اس کے علاوہ (یہ اشارہ کی کسی کی طرف نہیں)۔ (وصار) اشارہ ہے اقتضاء کے نتیجہ کے طور پر حکم کی اضافت کی طرف، پس کلام کی ترتیب یہ ہے۔ حکم مقتضائے نص سے ثابت ہے اور نص اس کے اثبات کا عمل نہیں کرتی یعنی حکم کو واجب نہیں کرتی مگر اس شرط کے ساتھ کہ نص پر شرط مقدم ہو اور شرط کا مقدم ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ (یہ شرط) وہ معاملہ ہے جس کا تقاضا نص کرتی ہے اپنی شامل اشیاء کی صحت کے لیے، پس جب اس حکم کا مثبت (ثابت کرنے والے کی اضافت) نص کی طرف ہے کیونکہ نص نے اس کا تقاضا کیا تو حکم کی اضافت بھی اس کے ذریعے سے نص کی طرف ہوگی، پس وہ رائے سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس کی طرف اشارہ فرمایا اپنے اس قول سے "فکان کالثابت بالنص "یعنی مقتضیٰ سے ثابت حکم یا مقتضیٰ ترجیح کے ساتھ ثابت بالنص ہے۔ شمس الائمہ نے فرمایا ہم جانتے ہیں کہ اقتضاء کے طریق سے ثابت حکم دلالت نص سے ثابت حکم کی طرح ہے نہ کہ قیاس کے ذریعے ثابت حکم کی طرح اور اس توجیہ کی تائید صدر الاسلام ابوالیسر کے قول سے ہوتی ہے کہ وہ حکم جو نص کے اقتضاء سے ثابت ہے وہ نص سے زائد ثابت وہ چیز ہے جس کا نص تقاضا کرتی ہے پس وہ حکم نص سے ثابت حکم ہے کیونکہ مقتضیٰ ثابت بالنص ہے اور حکم مقتضیٰ سے ثابت ہے تو مقتضیٰ اپنے حکم کے ساتھ دونوں نص سے ثابت ٹھہرے۔

علامہ نسفیؒ فخر الاسلام کی اتباع میں تحریر فرماتے ہیں:

"واما الثابت باقتضاء النص، فما لم يعمل النص الا بشرط تقدمه عليه فان ذلک أمر اقتضاء النص لصحته ما يناوله، فصار هذا مضافا الى النص بواسطة المقتضى فكان كالثابت بالنص" (۱۱)

جہاں تک اقتضاء النص سے ثابت حکم ہے تو یہ وہ ہے جس شرط کے مقدم ہوئے بغیر نص عمل نہیں کر پاتی۔ پس یہ وہ امر ہے جس کا تقاضا نص اپنے مشمولات کی صحت کے لیے کرتی ہے۔ پس یہ مقتضیٰ کے واسطہ سے نص کی طرف مضاف ہے لہٰذا یہ ثابت بالنص (ہی) ہے۔

ملا جیونؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"فی هذه العبارة توجيهان :أحدهما :أن يكون الثابت باقتضاء النص هو المقتضى اسم المفعول، والاقتضاء مصدر على معناه، ويكون المعنى :وأما المقتضى فما لم يعمل النص الا بشرط تقدمه على النص فان ذلک المقتضى أمر اقتضاه النص لصحة ما تناوله فصار هذا أى المقتضى مضافا الى النص بواسطة الاقتضاء فحينئذ يكون قوله المقتضى بمعنى الاقتضاء ، ونسخة تقدمه بالاضافة اولى من تقدم بالماضى ويكون تعريفا للمقتضى لا للحكم الثابت به فيخالف قرينة اعنى الثابت بدلالة النص. وثانيهما:أن يكون الاقتضاء بمعنى المقتضى ، وهو تعريف للحكم الثابت بالمقتضى لا للمقتضى، وقوله :تقدم، صيغة فعل ماض والمعنى وأما الحكم الثابت بمقتضى النص فما لم يعمل النص فيه الا بشرط تقدم ذلک الشرط على النص وهو المقتضى فان ذلک الشرط أمر اقتضاه النص لصحة ما تناوله فصار هذا أى الحكم الذى نحن فى تعريفه مضافاً الى النص المقتضى بواسطة

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

المقتضی،فان النص المقتضی حال علی المقتضی وهو دال علی حکمه فحینئذ یکون قوله فان ذلک أمر، دلیلا لقوله :الا بشرط تقدم، ویکون حمل قوله :فما لم یعمل النص، علی قوله :وأما الثابت بواسطة قوله فصار هذا والا فلا ارتباط بینهما" (۱۲)

اس عبارت میں دو توجیہیں ہیں :ایک یہ کہ اقتضاء النص سے ثابت مقتضیٰ کو اسم مفعول قرار دیا جائے ،اقتضاء اپنے مصدری معنی میں ہو تو معنی یہ بنیں گے۔ مقتضیٰ یہ ہے کہ نص اس کے تقدم کی شرط کے بغیر عمل نہیں کرتی لہٰذا یہ مقتضیٰ وہ چیز ہے جس کا تقاضا نص کرتی ہے تاکہ اس کے متناولات درست ہوسکیں، چنانچہ یہ مقتضیٰ نص کی طرف مضاف ہو گیا اقتضاء کے ذریعے سے پس یہاں اس کا قول المقتضیٰ بمعنی اقتضاء ہے اور تقدمہ کا نسخہ اضافت کے ساتھ، تقدم ماضی کے صیغے سے اولیٰ ہے تو یہ تعریف مقتضیٰ کی ہوئی نہ کہ اس سے ثابت حکم کی۔ پس یہ بات مخالف ہے اپنے قرین کے یعنی میری مراد الثابت بدلالۃ النص کے مخالف ہے۔

دوسری توجیہ اقتضاء بمعنی مقتضاء ہو تو یہ حکم ثابت بالمقتضیٰ کی تعریف ہوگی نہ کہ مقتضیٰ کی۔ اس کا قول ہے (تقدم)، صیغہ فعل ماضی ہے اور معنی ہوں گے، بہر حال وہ حکم جو مقتضیٰ نص سے ثابت ہے وہ چیز ہے جس میں نص عمل نہیں کرتی مگر اس شرط کیساتھ کہ وہ شرط نص پر مقدم ہو اور وہ شرط مقتضیٰ ہے کیونکہ وہ شرط ایسا امر ہے جس کا نص نے تقاضا کیا ہے اس چیز کی صحت کے لیے جس کو نص شامل ہے۔ پس یہ حکم جس کی ہم تعریف کر رہے ہیں مقتضیٰ کے واسطہ سے اس نص مقتضیٰ کی طرف مضاف ہے کیونکہ نصِ مقتضیٰ ،مقتضیٰ پر دال ہے اور مقتضیٰ اس کے حکم پر دال ہے پس اس وقت مصنف کا قول "فان ذلک امر" مصنف کے قول الا بشرط تقدم کی دلیل ہوگا اور اس کا قول "فما لم یعمل النص" اس کے قول فصار ھذا کے واسطہ سے اس کے قول واما الثابت پر محمول ہوگا ورنہ ان کے درمیان کوئی ربط نہ ہوگا۔

پس حاصل یہ ہے کہ کبھی نص شرعاً اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک زائد عبارت مقدر مانی جائے کیونکہ اگر اس زائد عبارت کو مقدر نہ مانا گیا تو نص یعنی کلام منصوص علیہ لغو ہو جائے گا لہٰذا کلام منصوص علیہ کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے اس زیادتی کا مقدر ماننا ضروری ہے اس زیادتی پر چونکہ کلام منصوص علیہ کی صحت موقوف ہے اس لیے وہ زیادتی کلام منصوص علیہ کے لیے شرط ہوگی اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے لہٰذا وہ زیادتی یعنی مقتضیٰ نص یا کلام منصوص علیہ یعنی مقتضی پر مقدم ہوگی گویا نص یعنی کلام منصوص علیہ کی صحت مقتضی پر موقوف ہے اور حکم کا اثبات چونکہ مقتضی کے بغیر نہیں ہوسکتا لہٰذا حکم کی نسبت مقتضی کی طرف ہوگی یعنی حکم مقتضی کا تابع ہوگا اور مقتضِی ،مقتضیٰ کے تابع ہوگا لہٰذا حکم مقتضی کے واسطہ سے مقتضِی کی طرف مضاف ہوگا اس لیے مقتضی سے ثابت حکم نص ہی سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ قیاس یا رائے سے۔ علامہ بزدویؒ کے قول "وکان کالثابت بالنص" سے یہی مراد ہے۔

علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"فصار الثابت به بمنزلة الثابت بنفس النظم دون القیاس حتی ان القیاس لا یعارض شیئا من هذه الاقسام والثابت بهذا یعدل الثابت بالنص" (۱۳)

پس وہ نظمِ کلام سے ثابت کی مثل، ثابت قرار پایا بغیر قیاس کے۔ یہاں تک کہ قیاس ان اقسام میں سے کسی کا معارضہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے اس طرح سے ثابت حکم نص سے ثابت حکم کے برابر ہے۔

علامہ نسفیؒ اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

”ولما أضيف المقتضى مع حكمه الى النص صار بمنزلة الثابت بالنص لا بالقياس“ (۱۴)
جب مقتضیٰ کی نسبت اس کے حکم ساتھ نص کی جانب ہوئی تو وہ ثابت بالنص کی مانند ہوا نہ کہ قیاس کی طرح۔
علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

”فعرفنا ان الثابت بطريق الاقتضاء بمنزلة الثابت بدلالة النص لا بمنزلة الثابت بطريق القياس.“ (۱۵)

پس ہم نے جان لیا کہ اقتضاء النص کے ذریعے ثابت حکم، دلالۃ النص سے ثابت حکم کی مانند ہے نہ کہ قیاس کے ذریعے ثابت حکم کی طرح۔

جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے متأخرین احناف مقتضیٰ اور محذوف میں فرق کرتے ہیں اس فرق کی علامت یہ ہے کہ مقتضیٰ کو جب عبارت میں ظاہر کر دیا جائے تو اس سے مقتضیٰ یعنی کلام منصوص علیہ متغیر نہ ہو نہ لفظوں میں اور نہ معنی میں برخلاف محذوف کے جب اس کو عبارت میں ظاہر کیا جاتا ہے تو کلام مذکور یعنی منصوص علیہ اپنے سابق طریق سے بدل جاتا ہے جیسے سورۃ یوسف میں (واسأل القریۃ) ہے کہ یہاں لفظ اہل محذوف ہے پس جب لفظ اہل کو ظاہر کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ "واسأل اھل القریۃ" تو اس صورت میں لفظوں کے اعتبار سے تو یہ تغیر واقع ہوگا کہ قریہ ظہور اہل سے پہلے مفعولیت کی وجہ سے منصوب تھا اور ظہور کے بعد اضافت کی وجہ سے مجرور ہو گیا اور معنی کے اعتبار سے یہ تغیر ہوگا کہ ظہور اہل سے پہلے سوال قریہ سے تھا اور ظہور کے بعد اہل قریہ سے ہو گیا گویا قاعدہ یہ ہوا کہ ظہور مقتضیٰ کے وقت تغیر واقع نہیں ہوتا اور ظہور محذوف کے وقت تغیر واقع ہو جاتا ہے۔
علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

”وعلامته ان يصح به المذكور ولا يلغى عنه ظهوره ويصلح لما اريد به فاما قوله تعالى وسئل القرية فان الاهل غير مقتضى لانه اذا ثبت لم يتحقق فى القرية ما اضيف اليه بل هذا من باب الاضمار لان صحة المقتضى انما يكون لصحة المقتضى“ (۱۶)

(مقتضیٰ) کی علامت یہ ہے کہ اس کے ذریعے کلام کی صحت ثابت ہوتی ہے اور اس کے ظاہر کرنے سے کلام میں کوئی تبدیلی (اعرابی ولفظی) نہیں آتی اور وہ درست رکھتا ہے جو اس سے (معنی) کا ارادہ کیا گیا اس کو (یعنی معنی بھی نہیں بدلتا) جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے واسئل القریۃ اھل، یہاں مقتضیٰ نہیں ہے کیونکہ اگر اس کو یہاں تسلیم کیا جائے تو قریہ میں اس کا تحقق نہیں ہوتا جس کی طرف اس کی نسبت کی گئی بلکہ یہ باب الاضمار میں سے ہے کیونکہ مقتضِی کی صحت، مقتضیٰ کی صحت کے لیے ہوگی۔
علامہ عبدالعزیز بخاریؒ شرح میں فرماتے ہیں:

”(وعلامته أى علامة المقتضى (أن يصح به) أى بالمقتضى المذكور أى يصير مفيداً لمعناه وموجبا لما تناوله،وفى بعض النسخ ولا يلغى عند ظهوره، أى لا يتغير ظاهر الكلام عن حاله واعرابه عند التصريح به كذا قيل بل يبقى كما كان قبله، ويصلح بنصب الحاء أى المذكور لما اريد به من المعنى أى لا يتغير معناه أيضاً،وبمجموع ما ذكر يقع الفرق بينه وبين المحذوف لأن المحذوف وان كان يصح المذكور الا انه ربما يتغير به ظاهر الكلام عن حاله واعرابه كما فى قوله :(واسأل القرية) (يوسف:۸۲)“ (۱۷)

This document was created by an application that isn’t licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

(علامتہ) یعنی مقتضیٰ کی علامت (ان یصح بہ) یعنی مذکور مقتضیٰ کے ذریعے، یعنی وہ معنی کے لحاظ سے مقید ہو جائے اور اپنے تحت شامل افراد کے لیے موجب حکم بن جائے۔ بعض نسخوں میں (ولا یلغی عند ظهوره) بھی ہے۔ یعنی ظاہر کلام اپنے حال اور اعراب کے لحاظ سے مقتضیٰ کو ظاہر کرنے سے تبدیل نہ ہو۔ جیسا کہ کہا گیا کہ جیسا وہ پہلے تھا ویسے ہی برقرار رہے۔ ویصلح، حا کے فتحہ کے ساتھ یعنی مذکور کلام میں جب اس سے معنی کا ارادہ کیا جائے (تو وہ سابق معنی کو درست رکھے) اور معنی میں تغیر واقع نہ ہو۔ مجموعی طور پر جوانہوں نے بیان کیا مقتضیٰ اور محذوف میں فرق ہے کیونکہ محذوف سے اگرچہ مقتضیٰ کی صحت قائم ہوتی لیکن وہ ظاہر کلام کو تبدیل کرتا ہے اس کے حال اور اعراب سے جیسا کہ (واسأل القریۃ) میں۔

ملاجیونؒ "شرح نورالانوار علی المنار" میں علامہ نسفیؒ کی عبارت جو فخر الاسلام بزدویؒ کی اتباع میں ہے، کی شرح میں فرماتے ہیں

یعنی أن علامة المقتضیٰ أن لا یتغیر المقتضی عند ظهورة کقوله :ان اکلت فعبدی حر،فاذا قدر المقتضی بان یقول:ان اکلت طعاما لا یتغیر باقی الکلام عن سنة فی اللفظ والمعنی بخلاف المحذوف اذا قدر انقطع الکلام عن سنة کما فی قوله تعالیٰ :(واسأل القریة) فاذا قدر لفظ الاهل ویقال :واسأل اهل القریة یتحول السؤال عن القریة الی الاهل ویتغیر اعراب القریة من النصب الی الجر (۱۸)

یعنی مقتضیٰ کی علامت یہ ہے کہ اس کے ظاہر ہونے سے مقتضیٰ (عبارت) میں تغیر نہیں ہوتا جیسا قول۔ ان اکلت فعبدی حر۔۔ پس جب مقتضیٰ مقدر مانا جائے تو کہا جائے گا۔ ان اکلت طعاما (طعاما کے اضافہ سے) باقی کلام میں لفظ ومعنی کے لحاظ سے تغیر واقع نہیں ہوتا جبکہ محذوف میں برخلاف، تقدیر کلام سے کلام اپنے پہلے طریق سے ہٹ جاتا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے (واسأل القریۃ) جب لفظ اھل مقدر مانا جائے تو کہا جائے گا۔ واسأل اھل القریۃ تو سوال قریہ کی بجائے اھل کی طرف پھر جائے گا اور اعرابِ قریہ نصب سے جر ہو جائے گا۔

علامہ بزدویؒ مزید وضاحت فرماتے ہیں:

وقد یشکل علی السامع الفصل بین المقتضی وبین المحذوف علی وجه الاختصار وهو ثابت لغة وایة ذلک ان ما اقتضی غیره ثبت عند صحة الاقتضاء واذا کان محذوفا فقدر مذکورا انقطع عن المذکور مثل قوله تعالیٰ واسأل القریة ان الاهل محذوف علی سبیل الاختصار لغة لعدم الشبهة الا تری انه متی ذکر الاهل انتقلت الاضافة عن القریة الی الاهل والمقتضی لتحقیق المقتضی لا لنقله (۱۹)

سامع پر مقتضیٰ اور محذوفِ کلام میں جو کہ اختصار کے باعث استعمال آنا ہے لغتاً ثابت ہوتا ہے، میں فرق کرنا مشکل ہے اس (فرق کی) نشانی یہ ہے کہ مقتضیٰ کا غیر اقتضاء کی صحت سے ثابت ہوتا ہے۔ جب وہ محذوف ہوگا تو وہ کلام مذکور میں پوشیدہ ہوگا اور اس کا ظہور سے مذکور میں انقطاع واقع ہوگا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: واسأل القریۃ۔ الاھل محذوف ہے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور کسی التباس کے شبہ کے نہ ہونے کے باعث لیکن جب اھل کا ذکر کیا جائے تو اضافت قریۃ سے اھل کو منتقل ہو جاتی اور مقتضاء کو مقتضی کے تحققِ معنی کے لیے تسلیم کیا جاتا ہے نہ کہ اس کو نقل وتبدیل کرنے

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کے لیے۔

علامہ بخاریؒ شرح فرماتے ہیں:

وقد يشكل على السامع الفصل أى يتحقق الاشتباه عليه فى الفصل بين المقتضى وبين المحذوف (على وجه الاختصار) أى الشىء الذى حذف لاجل الاختصار ولكنه ثابت لغة. وآية ذلك أى علامة الفصل والفرق بينهما، أن الذى اقتضى غيره وهو الذى نسميه مقتضياً. (ثبت عند صحة الاقتضاء) أى تقرر عند التصريح بالمقتضى (واذا كان محذوفا) أى اذا كان الشىء محذوفا (فقدر مذكورا انقطع عن المذكور) أى انقطاع ما اضيف الى المذكور وتعلق به عنه وانتقل الى المقدر (لعدم الشبهة) أى لعدم الاشتباه والالتباس يعنى الحذف انما يجوز اذا كان فى الباقى دليل عليه ولم يكن ملبسا وليس هنا التباس فجاز الحذف. ثم استوضح انه من قبيل المحذوف لا من قبيل المقتضى وأدرج فيه الدليل على الفرق بينهما فقال :(ألا ترى أنه) الضمير للشأن (متى ذكر الاهل)أى صرح به (انقتلت الاضافة) أى اضافة السوال الى القرية عنها الى الاهل فكان من قبيل المحذوف دون المقتضى. لان المقتضى لتحقيق المقتضى وتقريريه (لا لنقله) اى نقل المقتضى عن المذكور الى المحذوف. (۲۰)

یعنی مقتضیٰ اور محذوف میں فرق کرنے میں اشتباہ لاحق ہوتا ہے (علی وجہ الاختصار) یعنی جو چیز حذف کی جاتی ہے وہ اختصار کی غرض سے کی جاتی ہے لیکن وہ لغتاً ثابت ہوتی (وآیۃ ذلک) یعنی ان دونوں میں فرق وتمیز کی علامت یہ ہے (أن الذى اقتضىٰ غیرہ) وہ جس کا نام ہم مقتضیٰ رکھتے ہیں (ثبت عند صحة الاقتضاء) یعنی مقتضیٰ کی تصریح سے متعین و واضح ہوجاتا ہے۔ (واذا کان محذوفا) یعنی جب کوئی چیز محذوف ہوتی ہے (فقدر مذکور انقطع عن المذکور) یعنی مذکور میں جس کی طرف اضافت ونسبت تھی اس سے منقطع ہوجاتا اور اب وہ محذوف کے ذریعے سے اس کیساتھ متعلق ہوجاتا اور وہ محذوف کلام کی طرف منتقل ہوجاتا (لعدم الشبهة) یعنی عدم اشتباہ والتباس کے باعث یعنی حذف کا جواز ہے جبکہ باقی کلام اس پر دلالت کررہا ہو اور کلام التباس کا شکار نہ ہو۔ پس یہاں التباس نہیں تو حذف کا جواز ہوا۔ پھر انہوں نے وضاحت کی کہ یہ قبیل محذوف سے ہے کہ قبیل مقتضیٰ میں ہے اور ان دونوں کے مابین فرق پر انہوں نے دلیل بھی درج فرمائی ہے۔ (ألا ترى انہ) بیان اہمیت کے لیے ضمیر لاتے ہیں (متی ذکر الاھل) یعنی اھل کی تصریح کر کے کلام میں اسے ظاہر کیا جائے (انتقلت الاضافۃ) یعنی سوال کی اضافت قریۃ کی طرف سے الاھل کی طرف منتقل ہوگئی تو یہ قبیل محذوف میں سے ہے مقتضیٰ نہیں ہے کیونکہ مقتضیٰ سے مقتضیٰ کا تحقق اور اثبات ہوتا ہے۔ (لالنقلہ) یعنی مقتضیٰ کو مذکور سے محذوف کی طرف منتقل کرنا۔

قاعدہ مذکورہ پر بعض نے نقد کیا ہے اور وضاحت میں ایسی امثلہ بیان کی ہیں جن سے اس پر نقض وارد ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ (۲۱)

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہم نے کہا کہ فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو۔ چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے
اس میں فضرب فانشق الحجر عبارت محذوف ہے جب اس محذوف عبارت کو ظاہر کرتے ہوئے کہا جائے
﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَر فانشق الحجر فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾
تو اس وجہ سے کلام میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ کلام لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے اپنے سابق طریق پر باقی رہتا ہے اور اسی طرح سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (فادلی دلوہ) (۲۲)
علامہ بخاریؒ فرماتے ہیں:

فان قیل قد یتقرر الکلام بعد اظهار المحذوف أیضا مثل تقرره فی الاقتضاء کما فی قوله تعالی :(فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ) (البقرة:۶۰) أی فضرب فانشق الحجر فانفجرت.وقوله جل ذکره :(فادلی دلوه قال یا بشری) (یوسف:۱۹) أی فنزع فرأی غلاما متعلقا بالجبل فقال :یا بشری وفی نظائرة کثره ولا یمکن أن یجعل هذا من باب الاقتضاء علی ما ذکرتم لانه لیس بأمر شرعی.واذا کان کذلک لا یتحقق الفرق بینهما بهذه العلامة (۲۳)

پس اگر کہا جائے کہ محذوف کے اظہار کے بعد بھی کلام علی حالہ برقرار رہتا ہے جیسا کہ اقتضاء میں برقرار رہتا ہے جیسا کہ (اس کی مثال) فرمانِ باری تعالیٰ (فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت) یعنی فضرب فانشق الحجر فانفجرت (محذوف فضرب فانشق کے ظاہر کرنے سے بھی کلام میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا) اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے (فادلیٰ دلوہ قال یابشریٰ) أی فنزع فرأی غلاما متعلقا بالحبل فقال یابشری (اس میں محذوف کو ظاہر کرنے سے اعرابی حالت پر فرق نہیں پڑ رہا) اور اس کے کثیر نظائر ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کو اقتضاء کے باب سے قرار دیا جائے جیسا کہ تم نے ذکر کیا کیونکہ یہ امر شرعی نہیں ہے۔ پس اس علامت کے ذریعے فرق کا تعین نہ ہوا۔
علامہ عبدالعزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں مقتضیٰ اور محذوف کے درمیان اس فرق کے ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وحقیقة الفرق أن المحذوف أمر لغوی والمقتضی أمر شرعی " (۲۴)

فرق کی حقیقت یہ ہے کہ محذوف امر لغوی ہے اور مقتضیٰ امر شرعی۔
احناف عموماً مقتضیٰ کے قائل نہیں ہیں اس لیے کہ عموم اور خصوص الفاظ کے عوارض میں سے ہیں اور مقتضیٰ معنی ہے نہ کہ لفظ۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک مقتضیٰ میں عموم وخصوص دونوں جاری ہوتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک مقتضیٰ محذوف کی طرح ہے جو مقدر رہتا ہے یہ بہت بنیادی چیز ہے جو احناف اور شوافع میں مختلف فیہ ہے۔
علامہ بزدویؒ فرماتے ہیں:

"قال اصحابنا رحمهم الله لا عموم له وقال الشافعی رحمه الله فیه بالعموم لانه ثابت بالنص فکان مثله وقلنا ان العموم من صفات النظم والصیغة وهذا امر لا نظم له لکنا انزلناه منظوما شرطالغیره فیبقی علی أصله فیما وراء صحة المذکور. (۲۵)

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہمارے اصحاب رحمھم اللہ کا قول ہے کہ اس میں عموم نہیں۔امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اس میں عموم ہے کیونکہ یہ ثابت بالنص ہے تو اس لیے اس کی ہی مثل ہوگا اور ہمارا قول یہ ہے کہ عموم صفاتِ نظم کلام وصیغہ میں سے ہے اور یہ وہ معاملہ ہے جس میں نظمِ کلام نہیں بلکہ ہم نے اس کو نظمِ کلام کے اندر شرط کی حیثیت سے داخل کیا ہے پس وہ اپنی اصل پر برقرار رہے گا کیونکہ عموم وخصوص سے مذکور کی صحت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ بخاریؒ شرح فرماتے ہیں:

لا عموم له اى لا يجوز أن يثبت له صفة العموم.وقال الشافعي رحمه الله :له عموم أي يجوز أن يثبت فيه العموم لان المقتضى بمنزلة النص حتى كان الحكم.الثابت به بمنزلة الثابت بالنص لا بالقياس فيجوز فيه العموم كما يجوز فى النص وقلنا :العموم من عوارض النظم وهو غير منظوم حقيقة فلا يجوز فيه العموم . (٢٦)

یعنی اس کے لیے صفت عموم ثابت کرنا درست نہیں۔شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کے لیے عموم ہے یعنی جائز ہے کہ اس میں عموم ثابت کیا جائے کیونکہ مقتضیٰ نص کی مثل ہے چنانچہ اس سے ثابت حکم نص سے ثابت حکم کی طرح ہے۔نہ کہ قیاس سے ثابت کی طرح پس اس میں عموم درست ہے جیسا کہ نص میں عموم جائز ہے اور ہم کہتے ہیں کہ عموم نظمِ کلام کے خواص میں سے ہے اور وہ (یعنی مقتضیٰ) درحقیقت غیر منصوص ہوتا ہے تو مقتضیٰ میں عموم کا جواز نہیں ہے۔

علامہ سرخسیؒ زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

"ولا عموم للمقتضى عندنا :وقال الشافعي :للمقتضى عموم لان المقتضى بمنزلة النصوص فى ثبوت الحكم به حتى كان الحكم الثابت به كالثابت بالنص لا بالقياس فكذلك فى اثبات صفة العموم فيه فيجعل كالنصوص ولكنا نقول :ثبوت المقتضى للحاجة والضرورة حتى اذا كان المنصوص مفيدا للحكم بدون المقتضى لا يثبت المقتضى لغة ولا شرعا والثابت بالحاجة يتقدر بقدرها ولا حاجة الى اثبات صفة العموم للمقتضى فان الكلام مفيدا بدونه، وهو نظير تناول الميتة لما أبيح للحاجة تتقدر بقدرها وهو سد الرمق وفيما وراء ذلك من الحمل والتمول والتناول الى الشبع لا يثبت حكم الاباحة فيه، بخلاف المنصوص فانه عامل بنفسه فيكون بمنزلة حل الذكية يظهر فى حكم التناول وغيره مطلقاً، يوضحه أن المقتضى تبع للمقتضى فانه شرطه ليكون مفيدا وشرط الشيء يكون تبعه ولهذا يكون ثبوته بشرائط المنصوص فلو جعل هو كالمنصوص خرج من ان يكون تبعا، والعموم حكم صيغة النص فلا يجوز اثباته فى المقتضى"(٢٧)

اور ہمارے نزدیک مقتضیٰ میں عموم نہیں ہوتا۔امام شافعیؒ کا قول ہے: مقتضیٰ میں عموم ہوتا ہے کیونکہ مقتضیٰ اثبات حکم میں منصوص کی طرح ہے چنانچہ اس کے ذریعے ثابت حکم نص کے ذریعے ثابت حکم کی طرح ہے نہ کہ قیاس کی طرح۔اسی طرح اس میں صفت عموم کے اثبات کا معاملہ ہے تو اسے منصوص کی طرح بتایا جائے گا لیکن ہم کہتے ہیں مقتضیٰ کا اثبات

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حاجت اور ضرورت کے باعث کیا جاتا ہے۔لہٰذا جب نص حکم کے لیے مقتضیٰ کے بغیر بھی فائدہ دے تو مقتضیٰ کو لغتاً اور شرعاً ثابت نہیں کیا جاتا، تو جو ضرورت کے لیے ثابت کیا جاتا ہے اس کو ضرورت کے بقدر ثابت مانا جائے گا۔اس لیے مقتضیٰ میں صفت عموم کے اثبات کی کوئی ضرورت نہیں اور کلام اس کے بغیر بھی مفید طلب ہے۔ یہ بات نظیر میں میتة کے کھانے کی مثل ہے کہ جب ضرورت کے وقت وہ مباح ہوتا ہے تو ضرورت کے بقدر ہی کھانا درست ہوگا اور وہ ہے بس جان بچ جائے اور یہ اس کے اس میں سے مزید لینا، ذخیرہ کرنا یا پیٹ بھر کر کھانا اس میں اباحت کے حکم کا اثبات نہیں کیا جائے گا۔منصوص کے خلاف کیونکہ وہ اپنی ذات میں عامل ہوتا ہے اور اس کی مثال طیب یا پاکیزہ کا حلال ہونا ہے اور کھانے کے حکم میں یا اس کے علاوہ مطلق ہوگا۔ یہ وضاحت کرتا ہے کہ مقتضیٰ، مقتضی کے تابع ہوتا ہے کیونکہ افادہ مطلب کے لیے وہ اس کی شرط ہے اور کسی چیز کی شرط اس کے تابع ہوتی ہے،اس لیے اس کا ثبوت منصوص کی شرائط کے سبب ہوگا پس اسے اگر منصوص کی طرح بنایا جائے تو وہ اس بات سے نکل جائے گا کہ وہ اس کا تابع ہو۔عموم کی صفت تو نص کے صیغے کے حکم کے طور پر خاص ہے لہٰذا اس کا اثبات مقتضیٰ میں جائز نہیں۔

جس طرح مقتضیٰ میں عموم نہیں تخصیص کا احتمال بھی نہیں ہے۔علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"الثابت بمقتضیٰ النص لا يحتمل التخصيص لانه لا عموم له والتخصيص فيما فيه احتمال العموم" (۲۸)

اقتضاء النص سے ثابت حکم تخصیص کا احتمال نہیں رکھتا کیونکہ اس میں عموم نہیں ہوتا اور تخصیص اس میں ہوتی ہے جس میں عموم کا احتمال ہو۔

ملا جیونؒ شرح نور الانوار علی المنار میں علامہ نسفیؒ کی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں

"(ولا عموم له عندنا) لأن العموم والخصوص من عوارض الألفاظ والمقتضیٰ معنی لا لفظ، وعند الشافعیؒ يجری فيه العموم والخصوص لانه عنده كالمحذوف الذی يقدر، وهذا اصل كبير مختلف بيننا وبينه يتفرع عليه الكثير من الاحكام." (۲۹)

یعنی عموم اور خصوص الفاظ کے عوارض ہیں اور مقتضیٰ معنی ہے نہ کہ لفظ۔امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں عموم اور خصوص کا اجراء ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ محذوف کی طرح ہے جو کہ تقدیرِ کلام کا حصہ ہوتا ہے اور یہ بنیادی اصل ہے جو ہمارے اور ان کے درمیان مختلف فیہ ہے جس پر بہت سے احکام متفرع ہوتے ہیں۔

حاصل یہی ہے کہ عموم اور خصوص الفظ کے عوارض ہیں نہ کہ معنی کے اور مقتضیٰ معنی ہے نہ کہ لفظ اور دوسری بات یہ کہ مقتضیٰ ضرورةً مانا جاتا ہے اس لیے کہ مقتضی یعنی کلام منصوص علیہ کی صحت اس پر موقوف ہوتی ہے اور ضرورت اور حاجت کی بنیاد پر جس کو مانا جاتا ہے اسے بقدرِ ضرورت ہی ماننا ہوتا ہے۔اس لیے جب مقتضی کو بقدرِ ضرورت تسلیم کرتے ہیں تو اس میں عموم نہیں ہوگا کیونکہ عموم کے بغیر ہی کلام کی صحت ہو جاتی ہے۔

اقتضاء النص کی مثالیں:

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وتحرير رقبة﴾ (۳۰)

اس آیت میں کفارہ کے طور پر "رقبۃ" کے آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔تحریر، امر کے معنی میں ہے أی فحر رورقبۃ اب یہ امر ملک کا تقاضا کرتا ہے اس لیے کہ آزاد کو آزاد کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔اس طرح دوسرے کی ملک میں کوئی غلام ہو تو اس کی آزادی کا بھی حکم نہیں ہو سکتا لہٰذا کلام منصوص علیہ کی صحت کے لیے یعنی شرعا یہ کلام صحیح ہو جائے ضروری ہے کہ "مملوکۃ "مقتضیٰ مانا جائے اور کلام اس طرح ہو جائے "فتحرير رقبة مملوكة"

اس مثال میں مملوکہ مقتضیٰ ماننے کے باوجود لفظا اور معنی مقتضیٰ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا بلکہ صرف کلام منصوص علیہ شرعا درست ہو گیا جہاں تک متقدمین کے مذہب کا تعلق ہے جو مقتضیٰ اور محذوف میں فرق نہیں کرتے ،کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں جیسے سورۃ یوسف میں (واسأل القرية) (۳۱) یعنی واسأل اهل القرية سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿حرمت عليكم امهاتكم﴾ (۳۲) أی حرمت عليكم نكاح امهاتكم۔

This document was created by an application that isn’t licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حواشی وحوالہ جات

۱۔ تفتازانی، سعد الدین، شرح التلویح علی التوضیح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹٦ء، ۲٤۲/۱

۲۔ صالح، محمد ادیب، تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی، المکتب الاسلامی بیروت، طبع سوم۱٤۰٤ھ/۱۹۸٤م، ٤٦۷/۱، ٤٦۸

۳۔ سرخسی، محمد بن احمد، اصول، دار المعارف النعمانیہ، طبع اول،۱۹۸۱ء، ۲٤۹/۱

۴۔ بخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار، بیروت، دارالکتب العلمیة، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ۱۱۹/۱، ۱۲۰

۵۔ الدبوسی، ابو زھد، عبید اللہ بن عمر بن عیسی، تقویم الادلہ فی اصول الفقہ، تحقیق: خلیل محی الدین المیس دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۲۱ھ، ص ۱۳۵، ۱۳٦

۶۔ کشف الاسرار،۱۱۸

۷۔ البنانی، مولانا محمد یعقوب، مولوی مسامی،الحاشیہ، پشاور، مکتبہ حقانیہ، س ن،۸٤

۸۔ بزدوی، علی بن محمد، کنز الوصول الی معرفة الاصول، کراچی، امیر محمد کتب خانہ، س۔ن،ص ۱۱

۹۔ کشف الاسرار، ۱۱۸/۱، ۱۱۹

۱۰۔ کشف الاسرار، ۱۱۹/۱

۱۱۔ ملاجیون، شیخ احمد، شرح نور الانوار علی المنار مع کشف الاسرار علی المنار، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول ۱۹۸٦م، ۳۹۳/۱

۱۲۔ شرح نور الانوار،۳۹۳/۱، ۳۹٤

۱۳۔ اصول بزدوی،۱۱

۱۴۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار،۳۹٤/۱

۱۵۔ اصول سرخسی ،۲٦۰/۱

۱۶۔ اصول بزدوی،۱۱

۱۷۔ کشف الاسرار ۱۲۰/۱

۱۸۔ شرح نور الانوار،٤۹۵/۱

۱۹۔ اصول بزدوی،۱۲۵

۲۰۔ کشف الاسرار،۳٦۲/۲

۲۱۔ البقرة۲:٦۰

۲۲۔ یوسف۱۲:۱۹

۲۳۔ کشف الاسرار ،۳٦۲/۱

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ اصول بزدوی،۱۱

۲۶۔ کشف الاسرار ،۳۵۲/۲

۲۷۔ اصول سرخسی ،۲٦۰/۱، ۲٦۱

۲۸۔ اصول سرخسی،۲٦٦/۱

۲۹۔ شرح نور الانوار ، ۳۹۸/۱،۳۹۹

۳۰۔ النساء٤:۹۲، ۵۸/۳

۳۱۔ یوسف ۱۲:۸۲

۳۲۔ النساء ٤:۲۳

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.